Thematic Study Of Shahid Sadiqi's Columns

شاہد صدیقی کے کالموں کا موضوعاتی مطالعہ

Amina Javed*[1]
M.Phil Scholar, Department Of Urdu, GC Women University Faisalabad.
Dr. Rukhsana BiBi*[2]
Assistant Professor, Department Of Urdu, GC Women University Faisalabad.

آمنہ جاوید☆1
ایم فل اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وویمن یونیورسٹی ،فیصل آباد
ڈاکٹر رخسانہ بی بی☆2
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondance: rukhsanabaloch@gcwuf.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 14-04-2025
Accepted:19-06-2025
Online:30-06-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Shahid Siddiqui is a distinguished educationist, intellectual, and columnist whose writings have left a notable mark on contemporary Urdu journalism. His columns, published in leading Urdu newspapers, encompass a wide thematic spectrum, including education, literature, politics, social justice, culture, and human rights. A significant portion of his work is dedicated to analyzing the flaws and potential of the educational system in Pakistan, advocating for a reading culture, and highlighting the deep connection between individuals and society.

Through his unique blend of personal experience, intellectual reflection, and literary expression, Siddiqui's columns go beyond mere commentary. He uses symbolism, narrative elements, and real-life anecdotes to stimulate critical thinking and moral consciousness among readers. His style is characterized by simplicity, sincerity, and depth, which makes his writing accessible yet intellectually enriching.This paper conducts a thematic analysis of Shahid Siddiqui's columns, aiming to explore the intellectual, social, and cultural concerns reflected in his work. It also sheds light on his contribution to public discourse and his role in shaping readers' perspectives through a blend of educational

insight and social awareness. The study positions him as an important voice in Urdu journalism whose writings bridge academia and society with literary elegance and critical depth.

KEYWORDS: Shahid Siddiqui, Urdu Column Writing, Thematic Analysis, Education and Society, Reading Culture, Urdu Journalism, Intellectual Discourse, Social Awareness.

دور جدید کی صحافت میں کالم نگاری کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ کالم کے بغیر اب کوئی اخبار کو مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ جس طرح خبر اخبار کے لیے ضروری ترین چیز ہے۔ بالکل اسی طرح کالم کے بغیر بھی اخبار کا تصور کرنا ممکن نہیں ہے۔ کالم نگاری میں کالم نگار اپنے گرد و پیش میں ہونے والے روز مرہ کے حالات و واقعات، مسائل و مشکلات اور مختلف نوعیت کے معاملات پر قلم اُٹھاتے ہوئے اسے قارئین تک پہنچاتا ہے۔ جنھیں قارئین نہایت ہی ذوق و شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور حالات و واقعات سے آگاہ رہتے ہیں کہ عصر حاضر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔

اس طرح مختلف اخبارات میں ہمیں مختلف موضوعات پر کالم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ موضوعات سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، ادبی، نفسیاتی، اقتصادیاتی، سائنسی، طبیعاتی، تاریخی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ غرض کہ کالم پر اس موضوع پر تحریر کیا جاسکتا ہے جو حالات و واقعات کا تقاضا ہو۔ کالم نگاری ایک ایسی صنف نثر ہے کہ جس نے اُردو زبان و ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ نثر دن بدن پروان بھی چڑھی ہے۔ کالم نگاری اصل میں ہے کیا؟ اس ضمن میں اقبال قادری اپنی کتاب "رہبر اخبار نویسی" میں رقم طراز ہیں:

> "کالم نویسی ایک تکنیکی ہنر ہے۔ جس اخبار صفحات پر رائے کا اظہار کرنے والا موجود "نہیں ہو تا وہ ایک بے روح اخبار سمجھا جاتا ہے۔ کالم خیالات کے اظہار کا ایک عمدہ اور "پُر تاثیر وسیلہ ہے۔ کالم کے ذریعے قارئین کو دعوتِ فکر ملتی ہے۔"(1)

کالم کے لغوی معنی کو اگر دیکھا جائے تو مختلف لغات میں مختلف معانی سامنے آتے ہیں مگر لغوی معنی معلوم کرنے سے قبل ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ کالم در حقیقت کہاں سے انگریزی زبان میں آیا۔ کالم قدیم فرانسیسی زبان کے لفظ Colomne لاطینی زبان کے لفظ Columna اور یونانی کے لفظ Columne سے انگریزی زبان میں داخل ہوا۔ اس

کے معانی جب ہم لغات میں دیکھتے ہیں تو لاٹھے، ستون، کھمبا، عمودی تقسیم یا کھم کی صورت میں بھی سامنے آتا ہے اور اس کا استعمال دوسرے معانی میں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مختلف اعداد کو جمع کرنے کی غرض سے اوپر نیچے رکھا جاتا ہے تو انھیں Column of Figure کہتے ہیں۔

وارث سرہندی نے "علمی اردو لغت" میں کالم کے معانی کچھ یوں تحریر کیے:

"کالم (انگ، وز)، (Colum)، صفحے کا حصہ، خصوصاً اخبار کا خانہ، فوج کا دستہ۔"(2)

ایک ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی مخصوص عنوان بر موضوع پر لکھی گئی تحریر کو کالم کا نام دیا جا سکتا ہے۔

شاہد صدیقی محقق، نقاد، ناول نگار، ماہر تعلیم اور کہنہ مشق کالم نگار ہیں۔ ایک مدت سے درس و تدریس کے ساتھ منسلک ہیں۔ اور کئی ممتاز عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ ان دنوں لاہور سکول آف اکنامکس میں اپنے فرائض منصبی سر انجام دے رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے خالق ہیں مگر یہاں موضوع کی مناسبت سے ان کی کالم نگاری کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ ان کے کالم "دنیا نیوز" میں زیر آسماں کے عنوان سے چھپ رہے ہیں اور ان کے کالموں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۲۰۲۰ء میں "زیر آسماں" کے نام سے اور دوسر بک کارنر جہلم سے 2022 میں "موسم خوش رنگ" کے نام سے شائع ہوا۔

شاہد صدیقی کے کالموں کے عنوانات بھی ادب کی ایک خاص چاشنی لیے ہوئے ہیں جو اُن کے اسلوب کی بھی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں جیسے کہ بھنور، تلاش کا سفر، بنگال دسمبر اور میں، مینا کماری، سر راہ چلتے چلتے، ایلان ملک کے خواب، ماں میں سانس نہیں لے سکتا، گلابی نمک اور وقت کا دریا، سکینہ، ماسٹر فضل کا خواب، آج تم بے حساب یاد آئے، کٹاس راج اور آنسوؤں کا سیلاب، قونیہ: رومی اور شمس کا شہر محبت، توپ مانکیالہ، وعدہ، ایک او جھل بے کلی رہنے دو، اک دور تھا جب کہ میرے ساتھ تم بھی تھے، زندگی کی بساط، چراغ بدر، اپنا ٹائم آئے گا، کشمیر: ہرنیوں نے چوکڑی بھرنی تو ہے، یہ چند عنوانات "زیر آسمان" اور "موسم خوش رنگ" سے لیے گئے ہیں۔

اُن کے کالموں کے عنوانات ایک لفظی بھی ہیں مرکب بھی، مفصل بھی، کوئی اشعار کے مصرع پر مشتمل ہے کوئی سوالیہ ہے۔ ان میں بعض عنوانات شاعری کی کتاب کے لگتے ہیں اور بعض افسانوں، ناولوں کے، موضوعات کی بو قونی کے علاوہ حرف عنوانات ہی قاری کی خاص ادبی حس کو متحرک کر کے کالم پڑھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ شاہد صدیقی عنوان سازی کے راز سے خاص طور پر واقف ہیں۔ اسی لیے ان کے کالموں کے عنوانات ہی اپنی لطافت آمیز آہنگ میں یہ اعلان کرتے نظر آتے ہیں کہ ہم صحافت نہیں ادب ہیں۔

موضوعات کی رنگارنگی کے باوجود اُن کے بہت سے کالموں کو ایک خاص قسم کی موضوعاتی ترتیب بھی دی جا سکتی ہے۔ انھوں نے زیر نظر دونوں کتب کی تالیف میں اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے کالموں کو "جلی عنوان" کے تحت مختلف حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس میں بھی ایک تکنیک نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر "زیر آسمان" کے پہلے حصے میں "میرے آس پاس" کے تحت جو کالم آتے ہیں ان میں عزیز و اقارب اور بچپن کی یادوں کی بازیافت ہے جن میں ان کی والدہ، والدہ، بھائی، گاؤں اور گاؤں کے لوگ وغیرہ شامل ہیں۔ "آگہی کا سفر" میں تعلیمی اور تدریسی زندگی زندگی کا ذکر ہے ، "قدیم بستیوں کا سفر" میں مختلف مقامات کی سیر کا احوال ہے اور اختصار کے ساتھ انشائی انداز میں معلومات فراہم کی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح "موسم خوش رنگ" میں بھی عنوانات کی موضوعاتی تفریق کے اعتبار سے حصے ترتیب دیئے گئے ہیں جیسا کہ "تاریخ کا سفر میں" کے تحت مختلف مقامات کی تاریخ کی پردہ کشائی تاثراتی انداز میں کی گئی ہے۔ "راول پنڈی کہکشاں" کے تحت راول پنڈی کے مختلف مقامات اور شخصیات سے متعلق یادداشتیں ہیں، "فلم آرٹ" کے تحت فلم و فن کی مختلف شخصیات پر تاثراتی تحریریں ہیں غرض کہ دونوں کتابوں کو موضوعات کے اعتبار سے بالائی اور ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود کہیں یکسانیت کا احساس نہیں ہے۔

اگر کالم کسی شخصیت سے متعلق ہے تو اس شخصیت سے متعلق تاثرات و جذبات دوسری شخصیت سے بالکل جدا ہیں اور ان کو بیان کرنے کا اسلوب بھی بالکل الگ ہے۔ مثال کے طور پر "آج بے طرح تیری یاد آئی" سے ایک اقتباس دیکھیے، یہ کالم :ان کا پہلا کالم ہے جو ان کی والدہ محترمہ سے متعلق ہے

> "ایک طویل مشقت بھری زندگی سے اب وہ تھک سی گئی تھیں اور یہ بات ان دنوں کی ہے جب بیماری نے انھیں بستر سے لگا دیا تھا۔ اُن کا وزن بہت کم ہو گیا تھا۔ ایک بار پہلو بدلوانے کے لیے میں انھیں دونوں ہاتھوں میں اُٹھایا تو یوں لگا جیسے میرے ہاتھوں میں ایک سبک پھول ہو۔ میں ان کے بستر پر بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کچھ دیر بعد خالی نظروں سے چھت کو دیکھتی رہی، پھر مدہم آواز میں بولیں: ایک بات پوچھوں؟ میں نے کہا ضرور پوچھیں۔ وہ نحیف آواز میں بولیں: "کیا مرنے کے بعد میں جنت میں جاؤں گی۔"(3)

درج بالا سطور میں ماں کے لیے جذبات کی لطافت، محبت کی انتہا اور ایک شفقت کا احساس ایسے بیٹے کی ترجمانی کر رہا ہے جو اپنے وجود میں جو اپنے وجود میں نرم آغوش کی گرمی محسوس کر رہا ہے۔ ماں سے متعلق اس تحریر میں ایک سب رو جھیل کا

ساترم بہاؤ نظر آتا ہے جو ہولے ہولے قاری کو اپنے کالم نگار کے جذبات میں رنگ دیتا ہے۔ اب ایک اقتباس ''آج تم بے حساب یاد آئے'' سے دیکھتے چلیے۔ یہ کالم ان کے والد صاحب سے متعلق ہے

> ''ان کے ساتھ ہماری بے تکلفی تھی۔ ان کے سمجھانے کا انداز جدا تھا۔ کبھی سختی نہ کرتے یوں اُن کے حصے کا کام بھی والدہ کو کرنا پڑتا۔ اس وقت ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ چلے جائیں گے تو ہماری زندگیوں میں کتنا خلا آجائے گا۔ خلیل جبران نے ی کیا'' ہے کہ محبت کی گہرائی کا انداز و جدائی کے بعد ہوتا ہے۔''(4)

اس اقتباس میں جو والد صاحب کے متعلق ہے اگرچہ محبت کی گرمی موجود ہے مگر وہ وفور جذبات نہیں ہیں جو ماں کے لیے فطری طور پر املا کر آتے ہیں۔ اس اقتباس کو بطورِ خاص یہاں اس وجہ سے بھی دیا گیا ہے کہ اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کالم نگار کو اپنے جذبات کے اظہار کے لیے دوسروں کے الفاظ کا سہارا لینا پڑا۔ خلیل جبران کے علاوہ بھی اُنھوں نے اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے منیر نیازی کی نظم ڈزنی پکچرز کی فلم کا سہارا لیا ہے۔ جبکہ ماں کے لیے اُن کے جذبات ان کے دل سے بھرے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس میں ماں باپ کی محبت کی تفریق نہیں بلکہ اولاد پر والدین کی شخصیت کے مختلف اثرات کا پر تو نظر آتا ہے۔ ماں جتنی بھی سخت ہو فطری طور پر اُس کے محبت میں باپ کی محبت کی نسبت خاصی الطافت ہوتی ہے۔ دونوں کالموں کو مکمل پڑھنے کے بعد قاری پر جو تاثر پڑتا ہے وہ بھی مختلف ہے۔

آج تم بے حساب یاد آئے'' کو پڑھ کر دل مغموم ہوتا ہے لیکن آج بے طرح تیری یاد آئی'' پڑھتے ہوئے حساس آنکھیں چھلک بھی جاتی ہیں۔ ایک فرق عنوان میں شامل ''بے طرح'' اور ''بے حساب'' میں بھی ہے۔ بے حساب ماری ای سی می سازی اصلاح ہے جبکہ بے طرح میں بے اعتنائی بے اختیار اور کثیر امتی موجود ہے۔ یعنی ''بے حساب'' بہت زیادہ اور بے طرح کئی طریقوں سے جس میں پہلو تہی کی گنجائش موجود نہ تھی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ شاہد صدیقی نے عنوانات کے لیے یہ الفاظ شعوری طور پر استعمال کیے ہیں، ہو سکتا ہے شعوری طور پر بھی کیسے ہوں لیکن لاشعوری طور پر بھی کیسے ہوں تو اس سے میرے مذکور بیان کو تقویت ملتی ہے۔ درج کیے گئے صرف ان دو اقتباسات کو بھی دیکھا جائے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

شاہد صدیقی کے اسلوب میں وارفتگی اور بہاؤ ہے۔ جملوں کی بناوٹ سادہ، سیدھی سادی، تعقید سے پاک اور مختصر ہے۔ اس میں کہیں غرابت لفظی، ثقالت موجود نہیں ہے۔ ادبی چاشنی پورے طور پر جلوہ گر ہے۔

منظر نگاری خوب ہے جو قاری کو اُن کے ماحول میں پوری طرح رنگ دینے ہے۔

خدمات کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، جن کو بغور پڑھنے سے جذبات کی تفریق بھی با آسانی شناخت کی جاسکتی ہے۔

وہ اپنے جذبات کی عکاسی کے لیے اشعار، اقوال حتیٰ کہ ٹی وی فلم تیک سے بھی مثالیں لاتے ہیں۔

ویسے بات سے بات نکالنا اور اپنی بیان کی تقویت کے لیے دلائل لانا مضمون اور مقالے کی خوبی سمجھی جاتی شاہد صدیقی کے کالموں میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔ طویل اقتباس سے گریز بھی زنجیر قلم ہے۔ ''دریائے سندھ، ہنڈ اور تاریخ کا سفر'' سے درج ذیل اقتباس دیکھیے۔

اس میں ہنڈ کی سیر کا ذکر کرتے ہوئے انشائی انداز میں سندھ اور ہنڈ کی تاریخ کی اچھی خاصی سیر کرادی ہے۔چنگیز خان کے خون آشام لشکر، جلال الدین خوارزم، ٹیکسلا کے راجہ امبھی، محمود غزنوی، مغل بادشاہ بابر، یوسف زئی قبائل کرتے ہوئے، شہنشاہ اکبر کے قلعہ ہنڈ تعمیر کرانے اور سید احمد شہید کے قلعہ ہند: میں قیام کرنے کے تذکرے کے بعد تحریر کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

> ''اب ہنڈ کے غروب ہوتے ہوئے تاریخی سورج کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ اس شفق کی'' دریائے سندھ کے پانیوں میں نظر آرہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ دریائے سندھ کے ان پانیوں میں کتنے ہی گم نام لوگوں کا خون شامل ہو گا۔ وہ عالم لوگ جو اپنے بیوی بچوں کو اپنے گھروں میں انتظار کی چوکھٹ پر بٹھا کر بہت دور انہی راستوں پر چلے آئے تھے۔ وہ جو پھر بھی اپنے گھروں کو واپس نہ جاسکے اور وہ جن کا لہو اپنے آقاؤں کے خوابوں میں تو رنگ بھر گیا تھا لیکن جن کے اپنے آنگن کے خواب ادھورے رہ گئے تھے۔''(5)

اس کالم کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی محسوس نہیں ہوتا کہ آپ اوتا کہ تاریخ میں کوئی چیز چھ رہے ہیں اس سے کرتے کرتے آپ کی معلومات میں خود بہ خود اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہونے پاتا کہ کام کر تاریخی حقائق کے سہارے آپ کو کچھ سمجھانا چاہ رہا ہے مگر اس کے باوجود ایک شدید تاثر آپ کے زبان پر قائم ہو جاتا ہے۔ یہ تاثر کو یا افسانے کے وحدت تاثر کی طرح کا ہی ہے۔

شاہد صدیقی کے بیشتر کالم انشائیے کی طرز پر کما حقہ پورے اترتے ہیں۔ انشائے گی جو تعریفیں کی گئی ہیں اور ان پر جو معروضات اور توضیحات موجود میں ان میں سے بیشتر راقم الحروف کی نظروں سے گزری ہیں۔ یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے

کہ ان کے بیشتر کالم انشائی انگ لیے ہوئے ہیں۔ ہلکے پھلکے انداز میں بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا اور ان کو جھکا دینے والے تاریخی حقائق اور فلسفیانہ خیالات کو تخیلاتی عمل سے گزار کے تخلیق بنا دینا شاہد صدیقی میں کا خاصا ہے۔

درج ذیل اقتباس دیکھیے جو کھیوڑہ میں نمک کی کان سے متعلق ہے۔ اس میں کس طرح بات پیدا کر کے ہلکے پھلکے انداز میں کتنا کچھ کہہ گئے:

"پھر اسکول میں تاریخ کی کتاب میں نمک کا ذکر ایک نئے انداز میں پڑھا۔ یہ فرنگیوں کے میں گاندھی کی ایک ستیہ گری تھی۔ ستیہ گری کا مطلب ہمارے استاد نے سچ کی تلاش بتایا تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ حکومت برطانیہ نے نمک پر مکمل اجارہ داری حاصل کرنے کے لیے علاقائی سطح پر ٹیکس لگا دیا۔" (6)

جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ ان کے کالموں میں افسانے کا وحدت تاثر پایا جاتا ہے اور ذہن پر کوئی ایک شخصیت کردار، جذبہ ثبت ہو کر رہ جاتا ہے اور ایسا زیادہ تر ان کالموں میں ہے جو کسی شخصیت یا کیفیت کے بیان میں ہیں۔ مثال کے طور پر "زیر آسمان میں شامل "سکینہ" ہی کو دیکھ لیجیے، اس کالم کی اٹھان ہیں بالکل افسانوی ہے۔ ویسے تو شاہد صدیقی کے بیشتر کالموں کی ابتدا میں ان کے تخلیقی ذوق نے افسانے کا سامر اپیدا کر دیا ہے مگر بعض اوقات جب وہ فلمیش بیک کی تکنیک کا استعمال کرتے ہیں تو ان کے اندر کہانی کار پورے طور پر جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

"وہ سرما کا ٹھٹھرتا ہوا دن جب مجھے اطلاع ملی کہ سکینہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ مجھے یوں لگا کہ اچانک ایک پورے عہد سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ نام تو اس کا سکینہ تھا، لیکن گاؤں میں سب اُسے 'کینو' کے نام سے پکارتے تھے۔ بڑی خوبصورت سیاہ آنکھیں جو سرمے سے اور بڑی لگتیں، سیاہ گھنے بال، ناک میں کوکا اور پاؤں میں کھسہ۔" (7)

اس قسم کی تحریروں کو صحافت کی اصطلاح میں کالم قرار دیا جاتا میرے خیال میں صریح زیادتی ہے۔ انھیں افسانہ ہی کہنا مناسب ہو گا۔

شاہد صدیقی کے ہاں موضوعات کی بوقلمونی ہے۔ انھوں نے کثیر مطالعے اور مشاہدے کی بدولت رنگ برنگے مناظر ہمارے سامنے پیش کر دیئے ہیں لیکن وہ چونکہ ایک معلم اور محقق بھی ہیں اس لیے ان کے بعض کالموں میں دستاویزی تحقیق کے تجزیوں کی سی شان بھی موجود ہے۔ اس کے لیے "موسم خوش رنگ" کے تیسرے حصے "سیاست مزاحمت اور

آزادی میں شامل تحریروں کو بطور خاص دیکھا جاسکتا ہے۔ ''اقبال، ذہنی غلامی اور رد استعمار'' سے ایک اقتباس دیکھتے چلیے تاکہ اس رنگ کی وضاحت بھی ہو سکے:

> ''ایسے میں اقبال کی شاعری کے ''رد استعمار'' میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ رز استعمار کے عمل سے پہلے ہمیں استعمار کے عمل کو جانتا ہو گا جس میں مفتوح قوم کے افراد کے ذہنوں کو مسخر کر لیا جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں انھیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان کی تہذیب، ان کی زبان، ان کا ادب، ان کا لباس، ان کی طرز تعمیر، ان کی خوراک، ان کا ماضی اور ان کی شناخت کم تر و فرومایہ نہیں۔ اس سارے عمل میں یہ بات اہم ہے کہ مفتوح قوم اس مصنوعی اور کم تر شناخت کو برضا و رغبت قبول کر لیتی ہے جو فاتح قوم نے ثقافت کے اسلحہ خانے میں تشکیل دی ہوتی ہے اور یہ بالا دستی کنٹرول کی آخری حد ہوتی ہے جس میں مفتوح قوم اپنی منشا سے غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتی ہے۔ اس رضاکارانہ تسخیر کو ''گرامچی'' کا کا نام دیا جاتا ہے۔''(8)

زیر آسمان'' میں شامل ہر کالم میں تصور اور یادوں کے امتزاج سے مقامات اور اور ''شخصیات کو مجسم کر دیا گیا ہے اور متحرک بھی۔ فکر و دانش کے رنگ اعلی جمالیات کے ساتھ اس وقت ابھر سکتے ہیں جب لکھنے والے کا باطن آئینے کی طرح شفاف ہو۔ اس آئینے میں ہی دوسرا عکس منعکس ہوتا ہے جو مصنف کی اپنی ذات کا ہے۔ خیر اور مثبت رویہ رکھنے والا انسان دوست لکھاری ہر کردار کے ساتھ خود موجود ہوتا ہے۔ سوچتی ہوئی مہربان آنکھیں، دھیمی مسکراہٹ، شائستہ لہجہ، کتابوں اور لکھنے والوں کی باتیں۔

ڈاکٹر شاہد صدیقی کی کی ذاتی شناخت اور نثری اسلوب میں تضاد نہیں۔ وہ تعلیم و تدریس کے میدان ایک متعینہ منزل کے مسافر ہیں۔ ان کے نصب العین نے انھیں ایسے سفر پر گامزن رکھا ہے جس میں زاد راہ کتاب اور قلم ہیں۔

شاہد صدیقی کے کالموں کے مجموعہ ''زیر آسمان'' کے مضامین کا موضوع بلند عزائم اور واضح نصب العین رکھنے والی شخصیات اور وہ مقامات ہیں جنھیں سنگ میل بنا کر ترقی کا سفر طے کیا جاسکتا ہے۔ برصغیر کی تاریخ، تہذیبی ورثے اور قومی شعور پر بھی اُن کی تحریریں موجود ہیں۔

وہ سیاست میں ہونے والی تبدیلیوں اور ان کے اثرات پر بھی لکھتے ہیں مگر ان کا انداز نرم اور فکری ہوتا ہے جارحانہ نہیں۔

شاہد صدیقی کے کالموں میں غربت، عدم مساوات، خواتین کے حقوق اور سماجی رویوں پر بھی اُن کے تجزیے سنجیدہ اور فکری انداز میں ہوتے ہیں۔ وہ نظام تعلیم، تعلیمی پالیسی، اساتذہ کی تربیت اور طلباء کے مسائل پر بھی گہرائی سے لکھتے ہیں۔

دادا امیر حیدر کی ذات ہو یا ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی، جلیانوالہ باغ کالا پانی ڈالی کا شالی، بدھا بائی اور ڈوبتے ہوئے راولپنڈی سے لدھیانہ کے ساحر تک سب ہی کی کیسی یادگار نقاشی کی ہے۔

شاہد صدیقی نے اپنی تحریروں میں جن موضوعات پر خامہ فرسائی کی ان میں کسی ماہر فن زردوز کی طرح ہوتی و مرجان تا سکتے چلے جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱- اقبال قادری سید، رہبر اخبار نویسی، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۲۰۰۰ء، ص:۳۱۷

۲- وارث سرہندی، علمی اُردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۸۳، ص:۱۱۰۰

۳- شاہد صدیقی، ڈاکٹر، زیر آسماں، کالم: "آج بے تیری یاد آئی"، ص:۱۵

۴- ایضا، "آج تم بے حساب یاد آئے"، ص:۲۶

۵- شاہد صدیقی، موسم خوش رنگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۱، ص:۴۶

۶- ایضا، کالم، "گلابی نمک اور وقت کا دریا"، ص:۳۹

۷- شاہد صدیقی، ڈاکٹر، زیر آسماں، کالم: "سکینہ"، ص:۱۴

۸- شاہد صدیقی، موسم خوش رنگ، کالم: اقبال، ذہنی غلامی اور رد استعمار، ص:۸۹-۸۸

Refrences:

1. Qadri, Syed Iqbal. *Guide to Journalism*. New Delhi: Taraqqi Urdu Bureau, 2000.
2. Sarhindi, Waris. *Scholarly Urdu Dictionary*. Lahore: Ilmi Kitab Khana, 1983.
3. Siddiqui, Dr. Shahid. *Under the Sky*, column: "Today I Missed You Without Reason."
4. Siddiqui, Dr. Shahid. *Under the Sky*, column: "Today You Were Remembered Countlessly."

5. Siddiqui, Dr. Shahid. *The Pleasant Season*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2021.
6. Siddiqui, Dr. Shahid. *The Pleasant Season*, column: "Pink Salt and the River of Time."
7. Siddiqui, Dr. Shahid. *Under the Sky*, column: "Sakina."
8. Siddiqui, Dr. Shahid. *The Pleasant Season*, column: "Iqbal, Mental Slavery, and the Cloak of Metaphor."

Bibliography:

Qadri, Syed Iqbal. *Guide to Journalism*. New Delhi: Taraqqi Urdu Bureau, 2000.

Sarhindi, Waris. *Scholarly Urdu Dictionary*. Lahore: Ilmi Kitab Khana, 1983.

Siddiqui, Dr. Shahid. *Under the Sky*. Lahore: [Publisher not mentioned], n.d.

Siddiqui, Dr. Shahid. *The Pleasant Season*. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2021.